درود کی حقیقت محبت سے ہے اور محبت کے بغیر درود کے کوئی بھی معنی نہیں ہیں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 28 رفروری 1997ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ کی تلاوت کی:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَاَنِيْبُوْۤا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

(الزمر: 54 تا 56)

پھر فرمایا:

یہ آیات کریمہ ہیں جن کے حوالے سے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تفسیر میں آپ کے سامنے پیش کر رہا تھا کہ آپ نے يٰعِبَادِيَ کے خطاب سے کیا کیا مطالب نکالے ہیں اور ان کو مدنظر رکھ کر اس آیت کا مضمون سمجھنا اور اس سے استفادہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ تو فرماتے ہیں (اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ ماحصل اس آیت کا یہ ہے) کہ جو لوگ دل و جان سے تیرے یا رسول اللہ ﷺ یا بمعنی اور نہیں بلکہ اے رسول مراد ہے تو یاد رہے کہ **''جو لوگ دل و جان سے تیرے یا رسول**

اللہ ﷺ کے غلام بن جائیں گے ان کو وہ نور ایمان اور محبت اور عشق بخشا جائے گا کہ جو ان کو غیر اللہ سے رہائی دے دے گا۔" (آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن: 193، 194) **تو محبت اور عشق کا بخشا جانا یہ** غیر اللہ سے رہائی کے لئے ضروری ہے۔ یہی وہ مضمون ہے جو میں گزشتہ خطبہ میں بیان کر چکا ہوں اس کے بعض اور پہلو ایسے ہیں جو زیادہ وضاحت کے ساتھ کھولنے والے ہیں۔ فرماتے ہیں:

"اور اسی دنیا میں ایک پاک زندگی ان کو عطا کی جائے گی اور نفسانی جذبات کی تنگ و تاریک قبروں سے وہ نکالے جائیں گے"۔

"**نفسانی جذبات کی تنگ و تاریک قبروں سے وہ نکالے جائیں گے**"۔ دراصل انسان یا اپنے نفس کا غلام اور اپنی خواہشات کا عاشق ہوتا ہے یا اللہ کا اور اللہ کے رسولؐ کا، درمیان میں باقی کوئی اور منزل ہی نہیں ہے۔ جو بھی محبوب ہو خدا اور اس کے رسولؐ کے سوا یعنی ان کے مقابل پر وہ سب نفس کی عبادت کرنے کا دوسرا نام ہے۔ اس کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں اور اس عبادت میں کوئی زندگی نہیں ہے اسی کا نام موت ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون کو کیسی عمدگی اور قوت کے ساتھ کھولا ہے کہ "**نفسانی جذبات کی تنگ و تاریک قبروں سے وہ نکالے جائیں گے**"۔ "اسی کی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی ہے **انا الحاشر الذی یحشر الناس علیٰ قدمی**" (صحیح البخاری کتاب المناقب باب ما جاء فی اسماء رسول اللہ ﷺ) کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں وہ حشر برپا کرنے والا ہوں جس کے قدموں پر لوگ اٹھائے جائیں گے۔

فرمایا "اسی کی طرف یہ حدیث اشارہ کرتی ہے **انا الحاشر الذی یحشر الناس علیٰ قدمی** (یعنی میرے قدم پر لوگ اٹھائے جائیں گے۔) **یعنی میں وہ مردوں کو اٹھانے والا ہوں جس کے قدموں پر لوگ اٹھائے جاتے ہیں**" (آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن: 194)۔ یعنی اٹھائے جائیں گے کی بجائے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ترجمہ فرمایا ہے "**اٹھائے جاتے ہیں**" چونکہ مضارع کے دونوں ترجمے ممکن ہیں، جاتے ہیں، اٹھائے جائیں گے۔ تو آپ نے یہ بہت زیادہ پر حکمت ترجمہ فرمایا۔ میں نے غلطی سے یہ ترجمہ سرسری طور پر کیا "**اٹھائے جائیں گے**" مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ترجمہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس دنیا میں ہی لوگ جو زندہ ہوتے ہیں وہ مردے جو صدیوں سے گڑے ہوئے تھے وہ محمد رسول اللہ ﷺ نے زندہ کر دیئے۔ یہ مستقبل کا وعدہ نہیں اس

دنیا میں ہوتا ہے اور سامنے ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور اگر یہ حقیقت کھل کر سامنے نہ آتی تو پھر یہ قرآن کریم کا دعویٰ کہ تم اس بندے کی غلامی کرو گے تو تم خدا تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہو سکتے یہ دعویٰ محض ایک دعویٰ رہتا اس کا کوئی ثبوت نہ ہوتا۔ پس آنحضرت ﷺ نے جو گناہوں کی قبروں میں گڑے ہوئے مردے زندہ کر کے دکھا دیئے یہ ثابت کر دیا کہ اللہ ہر گناہ بخش سکتا ہے اور ہر گناہ خدا تعالیٰ کی بخشش کے تابع ایسا بخشا جائے گا جیسے اس کا وجود ہی کوئی نہیں تھا، از سر نو ایک نئی زندگی تمہیں عطا کی جائے گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی مضمون کے متعلق مزید بیان فرماتے ہیں:

> ’’انسان تو دراصل بندہ یعنی غلام ہے۔ غلام کا کام یہ ہوتا ہے کہ مالک جو حکم کرے اسے قبول کرے۔ اسی طرح اگر تم چاہتے ہو کہ آنحضرت ﷺ کے فیض حاصل کرو تو ضرور ہے کہ اس کے غلام ہو جاؤ‘‘

غلام ہوئے بغیر فیض ممکن نہیں ہے اور غلام ہونے کا نام گناہوں سے نجات ہے۔ پس یہ خیال کہ گناہوں میں مصروف رہو اور نجات کی توقع رکھو یہ بالکل ایک باطل خیال ہے جس کا ان آیات سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں۔ مراد یہ ہے کہ اگر زندگی میں تمہیں غلامی کی توفیق مل گئی پھر تمہارے پچھلے گناہ خواہ پہاڑوں کے برابر بھی ہوں وہ ایسے ختم کر دیئے جائیں گے، فنا کر دیئے جائیں گے گویا ان کا وجود کوئی نہیں تھا۔

> ’’اگر تم چاہتے ہو کہ آنحضرت ﷺ کے فیض حاصل کرو تو ضرور ہے کہ اس کے غلام ہو جاؤ۔ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اس جگہ بندوں سے مراد غلام ہی ہیں نہ کہ مخلوق۔ رسول کریم ﷺ کے بندہ ہونے کے واسطے ضروری ہے کہ آپؐ پر درود پڑھو اور آپؐ کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کرو سب حکموں پر کاربند رہو‘‘۔ (ملفوظات جلد سوم صفحہ: 234)

پس درود کا تعلق بھی یہ غلامی میں لانے کے لئے ایک بہت ہی اہم تعلق ہے اور درود کا تعلق پھر اسی محبت سے ہوا کرتا ہے جو دراصل ہر مصیبت سے نجات بخشنے والی محبت ہے یعنی اللہ اور رسولؐ کی محبت۔ جتنا آنحضرت ﷺ سے محبت ہو اسی قدر دل کی گہرائی سے درود اٹھ سکتے ہیں، اٹھتے ہیں اور

اگر یہ محبت نہ ہو تو وہ درود بالکل بے معنی اور لغو ہیں ان کی کوئی بھی حقیقت نہیں۔ زبان سے درود اٹھنا جن کی جڑیں دل سے نہ پھوٹ رہی ہوں وہ ایسے ہی درخت ہیں جن کی جڑیں اکھڑ چکی ہوں ان کا جڑوں سے کوئی تعلق نہ رہے وہ ہزار سال بھی رہیں تو پھل نہیں لا سکتے۔ پس درود کی حقیقت محبت سے ہے اور محبت کے بغیر درود کے کوئی بھی معنے نہیں ہیں۔

پس آپؑ فرماتے ہیں: **''آپؐ کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کرو، سب حکموں پر کاربند رہو''۔** یہ بھی ایسا سلسلہ ہے جیسا کہ میں نے پہلے بھی بیان کیا تھا محبت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ یہ آسان کام نہیں ہے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی اور پھر ایسی غلامی کہ ایک بھی حکم سے انسان باہر نہ جائے۔ یہ بہت بڑا دعویٰ ہے اور اسے محبت آسان کر سکتی ہے اس کے بغیر یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے بار بار آپ کو یاد دہانی کروا رہا ہوں کہ اس مضمون کی مشکلات کو بھی سمجھیں۔ کہنے میں بہت آسان باتیں ہوگئی ہیں مگر جتنا غور کریں گے اس کی مشکلات آپ کو پہاڑوں کی طرح سامنے دکھائی دیں گی۔ بعض دفعہ ایک عادت بھی انسان سنت اختیار کرنے کی خاطر چھوڑ نہیں سکتا اور وہ جو ہزاروں ایسی عادتوں میں جکڑے ہوئے ہوں ان کو یہ کہہ دینا کہ اطاعت کرو تو تم نجات پا جاؤ گے یہ حل کی طرف اشارہ کرنے والی بات تو ہے لیکن حل پر عمل کروانے کے لئے یہ بات کافی نہیں کیونکہ اگر کسی کو کہا جائے یہ دیکھو یہ پہاڑ ہے اس کی چوٹی پہ چڑھ جاؤ تو تمہیں دور دور کی عجیب چیزیں دکھائی دیں گی جو تم نے پہلے کبھی نہ دیکھی ہوں اور وہ پہاڑ ایسا Steep ہو، اتنا تیزی سے اوپر چڑھ رہا ہو کہ بڑے بڑے ماہرین کے بھی پتے پانی ہو جائیں اس کی وسعتوں کو دیکھ کر، تو کوئی آدمی کہے میں نے تو تجھے دکھا دیا تھا کہ یہ رستہ ہے اور پھر تو نے نہیں سفر کیا یہ تیرا قصور ہے تو یہ جو معمہ ہے، مشکل کا اور آسان کا، ان دونوں کا آپس کا تعلق، اس سلسلے میں کچھ باتیں میں نے گزشتہ خطبہ میں بیان کی تھیں اب میں مزید اس مضمون کو آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں جب انسان خدا تعالیٰ کی محبت میں ایسا محو ہوتا ہے کچھ بھی نہیں رہتا تب اس فنا کی حالت میں ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں کیونکہ اس حالت میں ان کا وجود درمیان نہیں ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا یعنی ان لوگوں

کو کہہ دو کہ اے میرے بندو خدا کی رحمت سے نو مید مت ہو خدا تمام گناہ بخش دے گا۔ اب دیکھو اس جگہ یا عباد اللہ کی جگہ یٰعِبَادِیَ کہہ دیا گیا حالانکہ لوگ خدا کے بندے ہیں نہ آنحضرت ﷺ کے بندے مگر یہ استعارے کے رنگ میں بولا جاتا ہے۔ ان امور پر غور کرتے ہوئے جو ایک حقیقت انسان کے سامنے ابھرتی ہے یا ابھرنی چاہئے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے غلام کے معنوں ہی میں استعمال کیا ہو آنحضرت ﷺ کو یہ کیوں فرمایا کہ تو ان سے کہہ دے میرے بندو۔ اس کلام میں اشتباہ کا ایک خطرہ تو بہر حال رہتا تھا تو ضرورت کیا تھی، اس میں حکمت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے اپنے بندوں کو آپؐ کے سپرد اس طرح کر دیا کہ وہ مخاطب کرتے ہوئے یہی لفظ بولیں کہ اے میرے بندو۔ اصل بات یہ ہے کہ جو وعدہ کیا جا رہا ہے وہ بہت بڑا ہے اور گنہگاروں کو جب مخاطب کیا جا رہا ہو کہ تم خدا کی بخشش سے مایوس نہ ہو تو جتنا بڑا گنہگار اتنا ہی خدا کے تصور سے دور۔ اب اس کو ایک فرضی بات پر یقین کیسے آئے گا، یہ تو ناممکن ہے نہ اس نے خدا دیکھا نہ سنا، نہ اس سے کبھی دل میں تعلق پیدا ہوا۔

اب بعض دفعہ کسی صدمے کے نتیجے میں، بعض دفعہ ویسے ہی اللہ تعالیٰ دل کی آنکھیں کھول دیتا ہے کہ اس کو توجہ پیدا ہو اور وہ کہے کہ میں نے خدا تعالیٰ سے بخشش مانگنی ہے تو کس خدا سے کس حد تک بخشش کی امید رکھ سکتا ہے۔ جب تک کوئی نمونہ سامنے نہ ہو انسان اس بات پر ایمان نہیں لا سکتا۔ پس آنحضرت ﷺ وہ ظاہری نمونہ تھے بخشش کا جس سے بڑھ کر بخشنے والا اور رحم کرنے والا کوئی انسان کبھی پیدا نہیں ہوا۔ آپؐ کی ساری زندگی ایک بخشش کا اتنا عظیم اور پاک نمونہ تھی کہ انبیاءؑ کی زندگی کو بھی آپ گہری نظر سے دیکھیں، جانچیں، تلاش کریں، مگر آپ کو آنحضرت ﷺ جیسا وجود انبیاءؑ کے زمرے میں بھی کہیں دکھائی نہیں دے گا یعنی اس شان کا وجود۔

رحمت اور بخشش کا آپؐ ایسا کامل نمونہ تھے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں آپؐ کے متعلق فرماتا ہے بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ:128) وہ مومنوں کے لئے خدا تعالیٰ کی دو صفات کا ایسا مظہر تھا کہ گویا اللہ تعالیٰ نے وہ صفات اس کو عطا کر دیں۔ رَءُوْفٌ بے انتہاء رافت کرنے والا اور شفقت کرنے والا اور رَّحِيْمٌ بار بار رحم کرنے والا۔ ایک دفعہ غلطی ہوئی، دوسری دفعہ ہوئی، تیسری دفعہ ہوئی پھر رحم کرنے والا اور ذاتی معاملات میں گناہ بخشنے والا مگر اللہ کے معاملات میں اس کی

امانت بخشش کی راہ میں حائل ہو جاتی تھی۔ یہ وہ مضمون ہے جس کو سمجھانے کی خاطر آنحضرت ﷺ کو اپنی نمائندگی میں یہ حق دیا کہ تو کہہ دے میرے بندو۔ اب یہ دو باتیں آنحضرت ﷺ کی سیرت کا ایک اتنا نمایاں پہلو ہیں کہ اس کو نظر انداز کرنے کے نتیجے میں بہت سے لوگ ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔

آنحضور ﷺ اپنے نفس کے معاملے میں اتنے رحیم تھے کہ آدمی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ وہ غلام جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو عطا کیا ان کی روایات آپ پڑھیں تو آپ حیران رہ جائیں گے۔ بارہا غلطیاں کیں، بارہا وعدے کئے اور نہیں پورے ہو سکے۔ رسول اللہ ﷺ کسی کام پہ بھجواتے ہیں اور جا کے کھیل میں لگ جاتا ہے وہ کام بھول جاتا ہے مگر حضور اکرم ﷺ خود آتے ہیں پوچھتے ہیں کیا ہوا تھا اور کوئی سرزنش نہیں۔ خود کام کرتے ہیں۔ اپنی ازواج مطہرات سے جو آپؐ کا حسن سلوک ہے وہ رحیمیت اور رافت دونوں کا ایک ایسا نمونہ ہے کہ دوسرے انسان میں دکھائی نہیں دیتا۔ مگر جہاں مالک تھے اپنے معاملات کے وہاں بخشش بے انتہا، جہاں خدا کی طرف سے نمائندہ تھے اور امین تھے وہاں یہ فرمایا کہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔ یہ وہ حیرت انگیز مضمون ہے جو آنحضرت ﷺ کی سیرت کے حوالے کے بغیر سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔ خدا تعالیٰ بھی اس لئے رؤف رحیم اور بے مثال رؤف رحیم ہے کہ ہر چیز کا مالک ہے۔ پس آنحضرت ﷺ اس حد تک رستہ دکھاتے ہیں کہ جو آپ کے قبضے میں چیز تھی، جس کے آپ مختار تھے اس میں بے انتہا رحم کیا ہے، بے حد بخشش سے کام لیا ہے۔ جس میں خدا مالک تھا آپ نے کوئی تصرف نہیں کیا، ادنیٰ سا بھی تصرف نہیں کیا۔ مگر اللہ مالک ہے اس لئے محمد رسول اللہ ﷺ پر انسان ٹھہر سکتا ہی نہیں کیونکہ ایک ایسے مالک کی طرف آپ کو بلایا جا رہا ہے جو ہر قسم کے گناہ بخش سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے اختیار میں جتنے تھے وہ آپؐ نے بخش کے دکھا دیئے جو اختیار میں نہیں تھے وہ خدا سے ملے بغیر بخشے جا ہی نہیں سکتے۔ اس لئے محمد رسول اللہ ﷺ کا نمونہ وہاں تک دکھایا جہاں تک انسانی اخلاق ترقی کر سکتے ہیں اور اس کے بعد جب اللہ کی حد شروع ہو جاتی ہے وہاں آپ اس مقام پر ٹھہر جاتے ہیں اور بندوں کو خدا کے سپرد کر دیتے ہیں۔ پس اپنے پاس آپؐ نے کسی بندے کو روکا ہی نہیں۔ ہر بندہ جو آپ کا بندہ بنا اس کو خدا کے سپرد کیا اور اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا اور وہ لوگ پھر عِبَادُ الرَّحْمٰنِ (الفرقان: 64) بن گئے۔ چنانچہ جہاں ایک طرف یہ فرمایا یٰعِبَادِیَ وہاں دوسری طرف عباد الرحمٰن کی صفات بیان فرمائی ہیں کہ

اب یہ بندے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے بندے تھے یہ رکے نہیں جب تک عِبَادُ الرَّحْمٰنِ نہ بن گئے ہوں اور جب اللہ کے، رحمان کے بندے بن جائیں پھر ان کی کیا کیا شان ظاہر ہوتی ہے وہ ساری باتیں ان آیات میں بیان فرمائی گئی ہیں۔

تو عباد کا جو مضمون ہے قرآن کریم کے حوالے سے وہ میں آپ کے سامنے مزید کھولوں گا مگر یہ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اقتباس میں نے آپ کو پڑھ کے سنایا ہے اس میں یہی بات بیان فرمائی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک وسیلہ تھے جو خدا کے بندوں کو بندہ بنا بنا کے اپنے آقا کے سپرد کرتے تھے تو ان بندوں کا جو خدا کے بندے کہلاتے ہیں پہلے بندہ بننا تو ثابت ہو اس کے بغیر وہ کیسے بخشش کے طلبگار ہو سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں قرآن کریم نے جو مختلف مضامین بیان فرمائے ہیں میں ان کو آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

انابت کے متعلق میں نے عرض کیا تھا کہ اس میں دراصل محبت کا بھی مضمون ہے اور انابت کے نتیجے ہی میں دراصل انسان گناہوں پہ قابو پا سکتا ہے اور انابت کے نتیجے ہی میں اس دنیا میں عذاب سے مخلصی ہو سکتی ہے اور یہ مضمون بہت گہرا اور لازمی ہے اس کو سمجھے بغیر آپ بخشش کی اور آئندہ زمانے یعنی مرنے کے بعد کی امیدیں قائم نہیں کر سکتے۔ ان امیدوں پر آپ کو یقین نہیں آ سکتا کیونکہ جب تک اس دنیا میں انابت کے نمونے آپ کے سامنے نہ ہوں اس وقت تک اس دنیا میں کیا ہو گا اس کے متعلق آپ کوئی یقین نہیں کر سکتے۔ تو اس کے لئے ایک تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے حوالے سے ہمیں یہ مضمون سمجھایا دوسرا روزمرہ کے تجربے سے بھی خدا تعالیٰ اسی مضمون کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ فرمایا:

اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۱۰﴾

(سبا: 10)

وہاں بھی عبد اور انابت کا ذکر تھا عبد بنو اور منیب بنو اور اس آیت میں بھی عبد اور منیب بننے کا ذکر ہے اور مضمون یہی ہے کہ تمہیں عذاب سے اگر نجات چاہئے تو عبد منیب بن کے دیکھو خدا تمہیں کس

طرح بچاتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے تم نے دیکھا نہیں جو تمہارے سامنے ہے اَفَلَمْ يَرَوْا ان لوگوں نے دیکھا نہیں کہ جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے آسمان اور زمین میں سے جو کچھ بھی ہے اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ان کے لئے تو نہ زمین محفوظ ہے نہ آسمان محفوظ ہے۔ یہ عجیب مضمون فرمایا گیا ہے کہ تم بڑے امن سے بظاہر چلتے پھرتے ہو اور سمجھتے ہو کہ جو عذاب ہے کوئی اتفاقی واقعہ ہے۔ آسمان کے نیچے، ایک محفوظ چھت کے نیچے اپنے آپ کو محفوظ سمجھ رہے ہو اور سمجھتے ہو کہ یہ اتفاقی حادثہ ہے لیکن کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اگر ہم چاہتے تو زمین میں ان کو دھنسا دیتے زمین ان کو لے ڈوبتی اور آسمان سے جو ٹکڑے برستے ہیں یعنی اجرام فلکی وہ ان کا کچھ بھی نہ چھوڑتے۔ ان کی تباہی کے لئے یہ دونوں چیزیں کافی تھیں۔ اب نہیں دیکھا سے کیا مراد ہے، ان لوگوں نے نہیں دیکھا۔ قرآن کریم کی دوسری آیات سے پتا چلتا ہے کہ اس مضمون میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے زمین میں پھرو، غور کرو تو تمہیں یہ حقیقتیں سمجھ آ جائیں گی۔

دنیا میں جو بڑی بڑی حیوانی یا انسانی نسلیں تباہ و برباد ہوئی ہیں ان کے دو ہی طریقے تھے جو ہمیں قدرت میں ملتے ہیں یا ایسے عظیم زلزلے آئے ہیں، ایسے ہیبت ناک زلزلے آئے ہیں کہ وہ لوگ زمین میں دھنس گئے اور بڑی بڑی قومیں ہیں جن کے اب سراغ مل رہے ہیں ان کا نشان بھی نہیں ملا۔ زمین یوں پھٹی ہے اور ان کو لے ڈوبی ہے اپنے اندر، پھر مل گئی اور جانور بھی بکثرت اسی طرح زمین کا لقمہ بن گئے یعنی زمین پھٹتی رہی اور وہ جانور ان میں ڈوبتے اور غرق ہوتے رہے اور پھر ان پر زمین پھر مل گئی اور یا آسمان سے Meteors کی بارشیں ہوئی ہیں اور بعض دفعہ اتنی زبردست ہوئی ہیں کہ جیسا کہ میں نے پہلے بھی بیان کیا تھا جو ڈائنا سورس کی نسل ہے یہ آسمانی بارش کے نتیجے میں برباد ہوئی ہے یعنی سمندر میں اتنا بڑا Meteor یعنی آسمان کا ایک ٹکڑا گرا ہے، اجرام فلکی میں سے ایک بڑا ٹکڑا گرا ہے کہ اس نے مدتوں سورج سے زمین کا واسطہ کاٹ دیا۔ اتنی بڑی دھند اٹھی ہے اتنے بڑے بادل بنے ہیں کہ جو ساری زمین پر چھا گئے اور ان جانوروں کے لئے نہ سبزی کھانے کے لئے رہی نہ کوئی اور غذا اور یہ ساری ڈائنا سورس کی نسل چند ہزار سال کے اندر اندر فنا ہو گئی یا لاکھ سال کے اندر فنا ہو گئی لیکن جو کائنات کا عرصہ ہے اس میں چند ہزار یا چند لاکھ سال ایک بہت ہی معمولی عرصہ ہے مگر یہ عذاب آسمان سے اترا تھا۔ تو دو ہی طریق ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم دیکھو تو سہی

آسمان سے بھی ہم جب فیصلہ کرتے ہیں تو ایسی بارش برساتے ہیں کہ نیچے جس زندگی کو فنا کرنا مقصود ہو اس کا کچھ بھی باقی نہیں چھوڑتے اور زمینیں بھی پھٹتی ہیں۔اب دیکھو کتنے بڑے بڑے جنگلات اور کتنی بڑی بڑی یہ جانوروں کی نسلیں زمینوں میں دفن پڑی ہوئی ہیں، یہ ثبوت ہے جو سامنے ہے۔اس کے بعد فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ اس میں نشان ہے ایک بہت بڑا ہر اس عبد کے لئے جو اللہ کی طرف جھکنے والا ہو کہ نجات ہے تو خدا سے ہے اور منیب ہوئے بغیر تم عبد بنتے نہیں ہو۔اس لئے اللہ کے بندے بنو گے تو اللہ کی کائنات سے ہر پہلو میں امن میں آجاؤ گے نہ زمین تمہیں کھا سکے گی نہ آسمان نگل سکے گا۔تو اگر تم نے باقی رہنا ہے اور دنیا میں بھی اگر باقی رہنا ہے تو یہی ایک طریق ہے، آخرت کی بات تو بعد میں آئے گی۔دنیا میں ان تاریخی حقائق کی طرف قرآن کریم اشارہ فرما کر ایک قطعی یقینی دلیل پیش کرتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عبد منیب بچائے جائیں گے تو یہ اس کا ایک نظام ہے جس پر غور کرنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اسی تعلق میں قرآن کریم فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ (الزمر:18) کہ خدا کے بندہ بننا چاہتے ہو تو دو بندے نہیں بن سکتے بیک وقت۔یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ تم طاغوت کے بھی بندے ہو اور اللہ کے بھی بندے رہو۔شیطان کے بھی بندے ہو اور دنیا میں جو سرکش لوگ ہیں ان کے پیچھے چل رہے ہو اور ساتھ ہی اللہ کے بھی بندے بن جاؤ۔تو ایک بندگی سے توبہ کرنا بھی ضروری ہے اور وہ طاغوت کی بندگی ہے۔فرمایا وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وہ لوگ جو ہر سرکش سے اجتناب کرتے ہیں کنارہ کشی کرتے ہیں اور اس وجہ سے اَنْ يَّعْبُدُوْهَا کہ کہیں اس کی عبادت ہی نہ کرنے لگیں اور یہ بھی ایک بڑا ہی عظیم فطرت کا ایک راز ہے جو خدا تعالیٰ اس میں کھول رہا ہے۔

جو جابر لوگ ہوں جو باغیانہ روح رکھتے ہوں اور بغاوت کی طرف آمادہ کرنے والے ہوں اگر کوئی انسان ان کے قرب میں رہے گا تو ان کی عبادت کئے بغیر رہ نہیں سکتا یعنی کلیتہً ان کے حضور سجدہ ریز ہوئے بغیر ان کا قرب نصیب ہو ہی نہیں سکتا۔پس جابر لوگ اور بدمعاش لوگ اور ان کے ساتھ جو لوگ پھرتے ہیں ان کا یہی تعلق ہوتا ہے جو سب سے زیادہ جابر اور بغاوت کی تعلیم دینے والا ہے اپنے متعلق بغاوت کا ایک ذرہ بھی برداشت نہیں کر سکتا اور جتنی بھی کہانیاں یا واقعات مافیا کے

آپ سنتے ہیں ان میں یہ بات بڑی نمایاں طور پر آپ کو دکھائی دیتی ہے کہ مافیا کے جو بڑے بڑے سربراہ ہیں وہ ہر نظام کے خلاف اپنے چیلوں چانٹوں کو بغاوت کے لئے آمادہ کرتے، اس پر تیار کرتے، ان کو تحفظ دیتے اور اس طرح وہ نظام کو بالکل بے بس اور بے کار کر کے دکھا دیتے ہیں مگر اپنے متعلق اگر آنکھ میں ادنیٰ سی میل دیکھیں گے تو بلا تردد اس کو مروا دیتے ہیں ذرہ بھی رحم سے کام نہیں لیتے خواہ اپنا عزیز ترین قریبی کیوں نہ ہو باپ بیٹوں کو مروانے میں قطعاً کوئی تردد نہیں کرتے اور یہی مضمون ہے جو قرآن کریم بیان فرما رہا ہے۔ کہتا ہے وہ سرکش لوگ جو نظام کے باغی ہوں تم اگر ان کے قریب رہو گے تو لازماً ان کی عبادت کرنی پڑے گی اس کے بغیر تمہارا ان کے ساتھ قرب رہ ہی نہیں سکتا۔ ہر ایسے موقع سے دور بھاگو۔ جابر کو دور کا سلام اگر ضروری ہو تو اس سے زیادہ اس کے ساتھ کوئی قرب کا تعلق نہ رکھو ورنہ بد صحبت کے بد اثرات کی بات نہیں فرما رہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان کے عباد بنو گے تم، ان کے عبد بنے بغیر تمہارے لئے چارہ کوئی نہیں ہوگا۔ تو ہر ایسی مجلس سے دور بھاگنا اور ہر ایسے حاکم سے پرے ہٹنا جو جابر ہو، ہر وہ شخص جو بغاوت کی تعلیم دینے والا ہو اس سے کنارہ کشی کے بغیر اللہ تعالیٰ کے عباد بننے کی آپ میں صلاحیت ہی پیدا نہیں ہو سکتی۔

تو قرآن کریم جو مشکل مضامین بتاتا ہے ان کے رستے بھی دکھاتا ہے بہت بلندی ہے مگر بچنے کے یہ یہ طریقے ہیں بغیر علم کے تم کیسے عباد اللہ بن جاؤ گے۔ یہ جانو کے فلاں کی عبادت سے بچنا ہے اور وجوہات بیان فرما دیں کیوں بچنا ہے۔ اس لئے کہ تمہیں بے اختیار کر دیں گے وہ، تم میں طاقت ہی نہیں رہے گی کہ ان کے اثر سے باہر رہ سکو۔ پھر فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ پھر ان میں یہ طاقت پیدا ہوگی کہ اللہ کی طرف انابت کریں جب ایک جگہ سے تعلق توڑ بیٹھے اور برائیاں سمجھ آ گئیں اور برائیاں سمجھنے کے نتیجے میں دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ خدا کی طرف جھکیں ان کے متعلق فرمایا لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ان کے لئے بہت بڑی خوش خبری ہے، پس میرے بندوں کو خوشخبری دے دو۔ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ (الزمر: 19) وہ لوگ جو بات سنتے ہیں پھر اس میں سے جو بہترین ہے اس پر عمل کرتے ہیں اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ ہدایت عطا فرماتا ہے اور یہی عقل والے لوگ ہیں۔ اب آپ دیکھیں کہ جس آیت کی

میں نے تلاوت کی تھی بعینہٖ وہی بات ہے جو ایک اور رنگ میں سمجھائی جارہی ہے وہاں آپ نے دیکھا عباد اور جو اسراف کرنے والے ہیں وہ عباد جو اسراف کرنے والے تھے جنہوں نے بہت بڑے بڑے ظلم کئے تھے اور زیادتیاں کی تھیں ان کو فرمایا ہے کہ تم نے خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے اور طریقہ یہ بتایا اَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ اللہ کی طرف جھکو اور اللہ کی محبت کے نتیجے میں اس کی طرف مائل ہو۔

اور تیسری آیت میں فرمایا وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ کہ تم جو بھی تمہارے رب کی طرف سے تم پر اتارا گیا ہے اس کا بہترین حصہ پکڑا کرو اپنے ارادے بلند رکھو، اپنے حوصلے اونچے کرو اور اس بات پر راضی نہ ہوا کرو کہ جو کم سے کم تم سے توقع کی جارہی ہے اتنی ہی پوری کردو، اونچی توقعات رکھو پھر تمہارے لئے یہ معاملہ آسان ہوگا مشکل نہیں ہوگا۔ اور اس میں بھی ایک بہت ہی گہرا فطرت کا راز ہے جو بیان فرمایا گیا ہے۔ جو لوگ تھوڑے پر راضی ہوں اور تھوڑے پر ہاتھ مارنے کی کوشش کریں ان کے لئے تھوڑے پر قائم رہنا بھی ممکن نہیں ہوا کرتا کیونکہ انسان اپنے ارادے کو ہمیشہ، اکثر اوقات پوری طرح مکمل طور پر پورا نہیں کرسکتا۔ پس جو شخص یہ کہے کہ میں یہ نہیں کروں گا وہ لوگ اس کم سے کم پر بھی کبھی پورے نہیں ہوا کرتے۔ جو بلند ارادے رکھیں ان کا ماحصل اس سے بہت زیادہ ہوتا ہے جو کم ارادے لے کر ایک سفر شروع کرتے ہیں۔ چنانچہ بسا اوقات جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے پاس ہونے کی نیت کی تھی مگر جن کی نیت یہ ہو کہ ہم نے اول آنا ہے ریکارڈ توڑنے ہیں ان کو ہم نے دیکھا ہے کہ وہ فرسٹ کلاس بھی لیں تو روتے ہیں کہ ہم صرف سکول میں اول آسکے، ہم نے تو سارے علاقے میں اول آنا تھا۔ جو سارے علاقے میں اول آئیں وہ اس بات پہ روتے ہیں کہ یقین تھا کہ ریکارڈ توڑ لیں گے مگر نہیں توڑ سکے تو ان کا ماحصل ان کے لئے خوشی کی بجائے اس لئے دکھ کا موجب بنتا ہے کہ جتنی بلند توقعات تھیں اتنی پورا نہیں کرسکے۔

اس راز کو جس طرح خدا نے سمجھایا ہے اس کو سمجھ کر جب انبیاءؑ کی زندگی کا حال دیکھتے ہیں تو ان کی گریہ وزاری کی سمجھ آجاتی ہے۔ کتنے بڑے بڑے ارادے لے کر وہ لوگ نکلے تھے اللہ کے تعلق میں، اس کے حضور اپنا سب کچھ پیش کردینے میں، اس کے حضور اپنی روحوں کی گردنوں پر چھریاں پھیر دینے کے لئے ہمیشہ آمادہ اور تیار اور خواہشات یہ کہ آناً فاناً ہم وہ انقلاب برپا کردیں جو عظیم انقلاب

ہے جوان کے سپرد کیا گیا ہے۔ وہ حشر برپا کر کے دکھا دیں جو قدموں سے اٹھایا جانا تھا جس کے متعلق خدا نے فرمایا کہ اے محمدؐ تیرے قدموں سے حشر برپا ہوگا اور صبر میں روتے روتے زندگی کاٹی۔ راتوں کو اٹھ کر گریہ وزاری کی خدا کے حضور کہ وہ حاصل نہیں ہو رہا جو میں کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ نہیں ہوسکتا۔ بعض لوگ ایسے ہیں جن کی اصلاح ہو ہی نہیں سکتی، ان کے خلاف خدا کا فیصلہ ہو چکا ہے ان کے لئے تو روتا ہے اور ان کے لئے اپنے آپ کو ہلاک کر رہا ہے۔ تو ارادے بلند تھے اس لئے جو بھی حاصل ہوا ہے وہ تھوڑا دکھائی دیا ہے مگر اس مقام سے تھوڑا دکھائی دیا ہے جس مقام پر فائز تھے۔ اس ادنیٰ مقام سے جس میں ہم ہیں جب محمد رسول اللہ ﷺ کی کامیابیوں کو دیکھتے ہیں تو انسان حیرت کے سمندر میں غرق ہو جاتا ہے۔ ایک چھوٹی سی زندگی میں صرف ساڑھے باسٹھ سال کی زندگی پائی ہے اتنا بڑا انقلاب برپا کر دیا ہے سارے عرب پر اسلام کو مسلط کر کے دکھا دیا عرب کے کناروں سے جس طرح سیلابی لہریں اچھل اچھل کر باہر جاتی ہیں اس طرح ان کناروں سے اچھل اچھل کر اسلام باہر نکلا ہے اور دور دور تک دوسری حکومتوں اور سرزمینوں پہ پھیل گیا ہے۔ چین تک جا پہنچا اور حالت یہ ہے کہ راتیں رو رو کر گریہ وزاری سے بسر ہو رہی ہیں بخششیں طلب کرتے ہوئے، اے اللہ مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی مجھے معاف فرما دے۔ تو جتنے بلند ارادے کرو گے اتنا تمہارا کچھ حاصل کرنے کا امکان ہوگا جتنی چھوٹی ہمتیں رکھو گے اتنا کم امکان ہوگا۔

پس احسن کے لفظ پر اس موقع پر زور دینا کہ گناہ گار آئے ہیں ابھی توبہ کی ہے ان سے یہ توقع کہ بہترین کر کے دکھا دیں یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ کسی انسان نے یہ کلام بنایا ہوتا تو کبھی یہ نہ کہتا۔ انسان نے یہ کلام بنایا ہوتا تو کہتا ٹھیک ہے تم توبہ کر رہے ہو اب تھوڑی تھوڑی کرنا بلند باتوں پہ ہاتھ نہ ڈالنا یہ اوپر کے لوگوں کے لئے ہیں تو اپنی توفیق کے ساتھ ساتھ رہنا۔ ادھر توبہ اور ادھر اچانک جو احسن ہے اس پر ہاتھ ڈالو، جو سب سے بلند تعلیم ہے اس کو پکڑو اس لئے کہ بلندی کے اوپر ہاتھ ڈالنا ادنیٰ مراتب کے یقینی ہونے کے لئے ایک قطعی طور پر ضامن بات بن جاتی ہے۔ جس نے ہمالیہ کی چوٹی سر کرنی ہے وہ کم سے کم Base camp تک تو پہنچے گا ہی نا لیکن جس نے ایک چھوٹی سی پہاڑی، ایک ٹیلے پر چڑھنا ہے وہی اس کی دنیا ہے وہی اس کی عظمتیں اور رفعتیں ہیں ان سے آگے وہ جا ہی نہیں سکتا پھر۔ بعض لوگ ٹیلہ بھی نہیں چڑھ سکتے وہ بیچ میں پھنس کے رہ جاتے ہیں۔

تو قرآن کریم نے جو مضامین بیان فرمائے ہیں ان پر آپ غور کر کے دیکھیں کس طرح رستوں کو مشکل دکھاتے ہوئے آسان کرتا چلا جاتا ہے، کوئی پہلو باقی نہیں چھوڑتا۔ فرمایا اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ ھَدٰھُمُ اللّٰہُ یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے ہدایت دے دی ہے۔ یَھۡدِیۡ کا وعدہ نہیں ہے، یہ بھی بڑی عظیم بات ہے۔ فرمایا اَلَّذِیۡنَ یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَیَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَہٗ وہ لوگ جو بات سنتے ہیں اور پھر سب سے اعلیٰ بات اس میں سے جو ہے اس کو اختیار کر لیتے ہیں کہ ہم نے یہ کرنا ہے اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ ھَدٰھُمُ اللّٰہُ یہ وعدہ نہیں ہے کہ ان کو ہدایت دے گا۔ فرمایا ان کو دے دی اللہ نے ہدایت۔ وہ تو ہدایت پا چکے ہیں وَاُولٰٓئِکَ ھُمۡ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ یہ ہیں عقل والے لوگ۔ تو یہ جو بخشش کا مضمون اور پھر حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی میں اللہ کا غلام بننے کا مضمون ہے اس کو باریک نظر سے سمجھیں تو جتنا مشکل ہے اتنا آسان بھی ساتھ ہوتا چلا جائے گا۔ یہ پہلی جو آیات تھیں جو ابھی پڑھی ہیں یہ سورۃ الزمر کی اٹھارہ اور انیس آیات تھیں۔

اب یہ سورۃ المومن کی آیات چودہ اور پندرہ ہیں ھُوَ الَّذِیۡ یُرِیۡکُمۡ اٰیٰتِہٖ وَیُنَزِّلُ لَکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ رِزۡقًا ؕ وَمَا یَتَذَکَّرُ اِلَّا مَنۡ یُّنِیۡبُ ﴿۱۴﴾ فَادۡعُوا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ وَلَوۡ کَرِہَ الۡکٰفِرُوۡنَ (المومن: 15،14)۔ انسان کی راہ میں جہاں اپنے نفس کی خواہشات اور جو نفسانی امنگیں ہیں وہ حائل ہوا کرتی ہیں وہاں اس کو گمراہ کرنے کے لئے ایک حصول رزق بھی ہے۔ قرآن کریم نے اس سے پہلے اس کو متوجہ فرمایا کہ آسمان سے عذاب بھی برسا کرتے ہیں اگر تم نے ان عذابوں سے بچنا ہے تو عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ بن جاؤ، عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ بنو گے تو اس کے عذابوں سے تمہیں رہائی نصیب ہوگی۔ اب فرمایا ہے کہ عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ بن کر صرف ایک منفی خطرات سے رہائی نہیں ملتی بلکہ جو تمہیں رزق چاہئے وہ بھی آسمان سے اترے گا اور کسی قوم کو خوشحال بنانے کے لئے یہ ایک ایسا نسخہ ہے جو کبھی ناکام نہیں ہو سکتا۔

وہ لوگ جو عبد منیب بنتے ہیں ان کے لئے آسمان سے مادی رزق بھی اترتا ہے اور آسمانی روحانی رزق بھی اترتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اگر چہ دنیا کی ہر خواہش سے ہاتھ اٹھا لیے اور ہر خواہش کو دل سے مٹا دیا۔ ایک ہی خواہش تھی کہ اللہ کی اتباع کروں اور جو وہ چاہتا ہے ویسا ہی ہوں

اور ذاتی تعلق، ذاتی خواہشات ساری بالکل مٹا کے رکھ دی تھیں مگر آپ دیکھیں کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی برکت سے ان عربوں کو جنہوں نے سب سے پہلے آپ کی تائید کی ہے ان میں سے عَبۡدٍ مُّنِيۡبٍ پیدا ہوئے تھے ان کے رزق کے کیسے انتظام فرمائے ہیں۔ اگر آپ غور کریں تو آپ حیران رہ جائیں گے کہ عربوں کو خدا تعالیٰ جو برکتیں عطا فرما رہا ہے مالی لحاظ سے بھی وہ حیرت انگیز ہیں۔ یعنی تیل کی دولت کی الگ بات ہے ساری عرب دنیا میں آپ نظر ڈال کے دیکھیں اللہ تعالیٰ ان کے رزق کے کوئی نہ کوئی سامان کر ہی رہا ہے کوئی اپنے ملک میں، کوئی ملک سے باہر ان کی تجارتوں کو برکت دیتا ہے۔

خدا تعالیٰ جس طرح عربوں کو نعمتیں عطا فرما رہا ہے دنیا کی بحیثیت قوم کے، دنیا میں آپ کو اور جگہ دکھائی نہیں دیں گی مگر اگر عَبۡدٍ مُّنِيۡبٍ نہیں بنیں گے اور عبد شکور نہیں بنیں گے تو پھر جو ان کا انجام ہے وہ خود اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ میں نے اس مسئلے پر بڑا گہرا غور کیا ہے تفصیلی طور پر دیکھ کر اور ہمیشہ میں حیرت زدہ رہ جاتا ہوں کہ خدا ان کے کھانے پینے کا انتظام تو کر ہی دیتا ہے جس طرح بھی ہو کرتا ہی رہتا ہے اور کثرت کے ساتھ متوازن تقسیم دولت ہے اور اونچے اونچے پہاڑ بھی بنے ہوئے ہیں لیکن جو بالکل غریب اور بے کار اور بے چارے بالکل بے سہارا رہ جائیں وہ بہت تھوڑے ہیں مقابلۃً۔ دنیا کی دوسری قوموں کے مقابل پر ان میں بہت ہی معمولی تعداد ہے جو آخری درجے کی غربت پر ہوں، ہر جگہ رزق کے سامان ہیں۔

تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ عَبۡدٍ مُّنِيۡبٍ بننے کی یہ جزا بیان فرما رہا ہے يُنَزِّلُ لَكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ رِزۡقًا تمہارے لئے آسمان سے رزق نازل فرمائے گا لیکن اس وقت جو رزق نازل ہوئے ہیں یہ ہم ورثہ کھا رہے ہیں اور اگر مسلمان عبد منیب بنے رہتے تو دنیا کی سب سے بڑی متمول قوم ہوتے۔ تیل کی دولتیں تو اس وقت ملی ہیں جب یہ بے چارے ہر بات کھو بیٹھے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے سہارا دیا۔ یہ آسمان ہی سے نازل ہونے والا رزق ہے۔ مگر یہ سارا ایک ہزار سال جو مسلمانوں نے بھکتے بھکتے، بھٹکتے بھٹکتے گزارا ہے اگر اس میں یہ عبد منیب بنے رہتے تو ساری دنیا پر مسلمانوں کی سلطنت ہوتی۔ تمام دنیا کے خزانے ان کے قدم چومتے اور تمام دنیا کی قومیں ان کے قدموں سے اٹھائی جاتیں۔

تو اس لئے اس بات کا سمجھنا ضروری ہے کہ لفظ مُّنِيْبٍ میں آسمانی نعمتیں اور دنیاوی نعمتیں دونوں کے بہت قطعی وعدے دیئے گئے ہیں اور اگر ہم اس مضمون کو نظر انداز کر دیں اور دنیا کے غلام بنیں تو پھر اللہ تعالیٰ دنیا بھی ہمارے پاس نہیں رہنے دے گا اور یہ بھی ایک ایسا سلسلہ ہے جو بارہا ان لوگوں میں دکھائی دیتا ہے جن کو خدا زندہ رکھنا چاہتا ہے یعنی خدا کے نیک بندوں کی اولادوں میں اگر خدا ان کو روحانی طور پر زندہ رکھنا چاہے اور وہ دنیا کی طرف دوڑیں اور نیکی کو نظر انداز کریں تو ان کی دنیا بھی کلیۃً برباد کر دیتا ہے جب کہ بدوں کو نہیں کرتا جن کو آخرت میں سزا دینا مقصود ہو ان کو جو دنیا کی طرف دوڑیں دنیا کی نعمتیں عطا کر دیتا ہے اور بیان فرماتا ہے کہ ہم کرتے ہیں مگر اس لئے کہ آخرت میں نہیں دیں گے۔ مگر نیک لوگوں کی اولاد سے خدا تعالیٰ کا یہ سلوک ہم نے بارہا دیکھا ہے کہ نیک لوگوں کی اولاد نیک رہے گی تو اللہ تعالیٰ بے حد رزق عطا فرماتا رہے گا۔ جب بدی کی طرف جائے گی، انتہا بدی کی طرف چلی جائے کہ ان میں زندگی کی رمق نہ رہے تو پھر وہ بھی بے حد و شمار دولت عطا کئے جاتے ہیں دنیا کے رتبے، نعمتیں، دولتیں۔ مگر یہ اس بات کی علامت ہے کہ خدا ان سے ناراض ہو چکا ہے وہ مردود ٹھہرائے گئے ہیں لیکن جن کو بچانا چاہے ان پر بڑے بڑے ابتلاء آتے ہم نے دیکھے ہیں کچھ بھی بے چاروں کا نہیں رہتا آخر پھر وہ واپس آتے ہیں اور اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے متعلق جو توقع رکھی تھی کہ ہم مار کھا کے واپس آجائیں گے وہ توقع سچی ثابت ہوئی۔ تو بہت سے ایسے احمدی میں نے واپس آتے دیکھے ہیں جن پر ابتلاؤں کی مار پڑی ہے، بعض بیماریوں کی مار پڑتی ہے، بعض اولاد کی طرف سے ان پر مار پڑتی ہے اور توبہ کرتے ہیں۔ جن کو میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا، نہ نام سنا تھا اور بعض دفعہ دور دور سے سفر کر کے آتے ہیں کہ ہم توبہ کی خاطر آئے ہیں پتا چلا کہ مصیبتوں اور دکھوں نے ان کو توبہ پہ مجبور کیا ہے۔ پھر جب وہ اپنے ماں باپ کی باتیں سناتے ہیں تو اس وقت اس کا راز سمجھ آتا ہے کہ بڑے بڑے نیک لوگوں کی اولاد تھے، ایسے نیک لوگوں کی اولاد جو یہ دعائیں کرتے ہوئے گزر گئے کہ اللہ ان کو نیکی عطا فرمائے۔

تو یہ خدا تعالیٰ کی جو تقدیر کی راہیں ہیں یہ بہت ہی لطیف اور باریک راہیں ہیں ان کو آپ سمجھیں تو زندگی کا سفر آسان ہو جائے گا اور اگر نہیں سمجھیں گے تو پھر انسان کے لئے بھٹکنے کے سوا اور کچھ باقی نہیں رہتا۔ اسی مضمون میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا

رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ (الروم:34) کہ یہ جو اللہ کو بلانا اور منیب ہو جانا اس کا یہ ایسے وقت میں اگر نصیب ہو جبکہ تکلیف آ پہنچے تو پھر یہ محض وقتی فائدہ دے گا۔ اس وقت منیب بنو جب تکلیف نہ پہنچی ہو۔ چنانچہ پہلی آیت کریمہ میں منیب کے ساتھ یہ کھول دیا گیا تھا کہ جب عذاب آ جائے گا، جب پکڑے جاؤ گے پھر تمہیں کچھ بھی فائدہ نہیں دے گا خدا کی طرف جھکنا لیکن وہاں مراد ہے مستقل فائدہ، تمہاری نجات کا موجب نہیں بن سکے گا ورنہ عذاب سے وقتی نجات ثابت ہے۔ چنانچہ یہ آیت اسی مضمون کو بیان فرما رہی ہے وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ جب انسان کو سخت عذاب پکڑ لیتا ہے بہت بڑی تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ واقعۃً دل سے اس کی طرف جھکنے اور اس کی طرف دوڑنے، اس کی طرف لپکنے کے لئے ایک خواہش زور مارتی ہے۔ مگر اس کی پناہ میں آنے، اپنی ذات کو اس کے سپرد کرنے کے لئے نہیں۔ اَسْلِمُوْا والا مضمون نہیں ہے بلکہ عذاب سے بچنے کی حد تک بس اس سے زیادہ ان کی کوئی خواہش نہیں ہوتی۔ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ (الزمر:9) یہاں وہ جو طوفان کا مضمون بیان ہوا ہے ایک اور آیت میں کہ غرق ہونے لگتا ہے انسان اس کے لئے دعا کرتا ہے اس کو خدا بچا بھی لیتا ہے یہاں وہ مضمون نہیں ہے بلکہ وہ رزق والا مضمون جو میں نے بیان کیا تھا اس کے تعلق میں یہ آیت بیان کر رہی ہے۔ ایسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے کہ اس کے مال، جائیداد، چیزیں ضائع ہونی شروع ہو جائیں، نقصان پہنچیں تب وہ واقعۃً اللہ کی طرف ایک جھکنے کا میلان اپنے دل میں پائے، سمجھے کہ اس کے سوا چارہ کوئی نہیں۔ مگر اگر اللہ کی محبت نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکنا محض مصیبتوں سے بچنے کی خاطر ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب ہم اسے پھر نعمتیں عطا کرتے ہیں، ایسے شخص کو صرف مصیبت سے نجات نہیں دیتے نعمتیں بھی عطا کرتے ہیں وہ نعمتیں عطا کرتے ہیں جن کی وجہ سے وہ ہماری طرف جھکا تھا نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ وہ بھول جاتا ہے اس بات کو کہ اس نے وہ چیزیں خدا سے مانگی تھیں مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ یہ بھول جاتا ہے کہ خدا سے مانگی تھیں۔ اس طرز بیان میں یہ بات کھل گئی کہ نیت چیزوں کی تھی اور کچھ نہیں تھی جب چیزیں مل گئیں تو خدا بھول گیا اور یہ بھی بھول گیا کہ یہ چیزیں میں نے خدا سے مانگی ہوئی ہیں آپ ہی آپ نہیں مل گئیں مجھے۔ تو یہ ایسی کامل فراموشی، اس قدر غفلت کہ مصیبت کے وقت گڑگڑا، گڑگڑا کے، روتے

ہوئے، گریہ وزاری کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگی، اللہ تعالیٰ سے مصیبتوں سے نجات مانگی، نعمتوں کے لئے درخواست کی، نعمتیں مل گئیں تو یہ بات بھی بھول گیا کہ یہ نعمتیں ہم نے خدا سے مانگی تھیں۔ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ تو اللہ کے مقابل پر وہ پھر شریک ٹھہرانے لگ جاتا ہے تاکہ دوسروں کو بھی اس کے رستے سے ہٹائے۔ پس اس معنے میں منیب نہ بنو کبھی۔ اور یاد رکھو کہ جب خدا کی طرف سے انابت ہو تو محض اللہ کی خاطر، اس کی محبت کے نتیجے میں انابت الی اللّٰہ ہو۔ اگر مصیبت سے بچنے کے لئے اور دنیا کی نعمتوں کے حصول کے لئے انابت الی اللّٰہ ہوگی تو تمہارے کسی کام نہیں آئے گی کیونکہ ایسی انابت کے نتیجے میں جو کچھ تم پاؤ گے اس کو دوسروں کی طرف منسوب کرو گے، اپنی چالاکیوں کی طرف منسوب کرو گے، اپنے دوستوں کی طرف منسوب کرو گے، اپنے دنیا کی ہوشیاریوں اور حادثات کی طرف منسوب کرو گے۔ اتفاقاً مجھے یہ مل گیا، خدا کی طرف تمہارا دماغ نہیں جائے گا تو انابت کے مضمون کے ہر پہلو کو قرآن کریم کھول رہا ہے۔ اب چونکہ وقت ختم ہو گیا ہے اس لئے انشاء اللہ اس کا جو باقی حصہ ہے وہ میں آئندہ خطبے میں بیان کروں گا۔

اس وقت مجھے بعض مرحومین کی نماز جنازہ کا اعلان کرنا ہے جن میں سے بعض کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ عباد الرحمٰن تھے اور جہاں تک انسان کسی انسان کو دیکھ کر ایک فیصلہ کر سکتا ہے، میرے نزدیک بعض مرحومین ان میں ایسے ہیں کہ ان کے متعلق کوئی بھی شک نہیں رہتا کہ وہ خدا کے پاک بندے تھے۔ محض اس لئے نہیں کہ ان پر حسن ظن تھا، اس لئے کہ انہوں نے اپنی زندگی کے لحہ لحہ میں ثابت کیا بلکہ بعض کی تو پیدائش سے پہلے ہی ان کے رحمان کے بندہ ہونے کی خوش خبریاں دے دی گئی تھیں اور پھر رویا اور کشوف خدا تعالیٰ ان کو ہمیشہ دکھاتا رہا، عظیم نشان ان کے ہاتھ پر ظاہر فرماتا رہا لیکن وہ عاجز ایک بالکل سادہ لوح، سادہ مزاج، سادہ زندگی بسر کرنے والے اور اس طرح چلتے پھرتے تھے گلیوں میں جیسے ان کا وجود ہی کوئی نہیں۔

ان میں سے جو سب سے نمایاں قابل ذکر ہیں وہ حضرت مولانا نذیر احمد صاحب مبشر ہیں جن کی چند روز پہلے وصال کی اطلاع ملی ہے۔ ان کے متعلق نسبتاً زیادہ تفصیل سے کچھ کہنے کی ضرورت ہے باقی میں نام پڑھ دوں گا اور ان کی تفصیل بیان نہیں کر سکتا اس وقت میں، نہ جمعہ اس مقصد کے لئے ہوتا ہے کہ مرحومین کی زندگی کی تفاصیل بیان کی جائیں مگر بے حد نیک بندے تھے ان کے لئے

ہم نماز جنازہ جمعہ اور عصر کی نماز کے معاً بعد ادا کریں گے۔

مولانا نذیر احمد صاحب مبشر کی زندگی کے بعض ایسے پہلو ہیں جو اس وقت بھی نشان تھے، آج بھی نشان ہیں۔ آپ 1909ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صحابی حضرت چوہدری غلام حسین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا ہوئے۔ آپ سے پہلے نو بچے پیدا ہو چکے تھے جو نو کے نو مر گئے ایک بھی نہیں بچا۔ حضرت غلام حسین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے رؤیا میں دکھایا کہ یہ بچہ ہے اس کی شکل دیکھ لو یہ آنے والا ہے اور یہ زندہ رہے گا۔ چنانچہ آپ پیدا ہوئے تو آپ نے سب جگہ اعلان کر دیا، بیوی کو بھی بتا دیا بالکل نہ فکر کرنا یہ زندہ رہے گا یہ کبھی نہیں مر سکتا یعنی جس مقصد کے لئے خدا نے عطا کیا ہے اسے پورا کئے بغیر نہیں مرے گا اور پھر اس نشان کو اور زیادہ پختہ بنانے کے لئے بعد میں دو بیٹیاں اور عطا کیں، وہ دونوں بھی مر گئیں۔ پہلی اولاد میں سے نو میں سے ایک بھی نہیں بچا، یہ زندہ رہے اور ان کی شکل بھی بالکل وہ بیان فرماتے تھے کہ ایسی ہی تھی، یہی مجھے بچہ دکھایا گیا تھا۔ اور اس کے بعد آپ کی زندگی جو تھی وہ واقعی ایک ایسے بچے کی صورت میں آگے بڑھی ہے جو خدا تعالیٰ کسی خاص مقصد کے لئے پیدا فرماتا اور چن لیتا ہے اسے۔ آپ نے 1927ء میں اپنی زندگی وقف کی۔ 1935ء میں ایک اعلان حضرت نذیر احمد صاحب علی کی طرف سے ہوا جو افریقہ کے مبلغ تھے اور بہت عظیم قربانیاں انہوں نے وہاں خاص طور پر سیرالیون میں بڑی خدمات سرانجام دی ہیں کہ غانا کے لئے ہمیں ایسے ایک واقف زندگی کی ضرورت ہے جو کوئی مطالبہ نہ کرے، غالباً حضرت مصلح موعودؓ کے فرمانے پر انہوں نے یہ اعلان کیا ہوگا اپنی طرف سے تو ایسا کرنے والے نہیں تھے، کوئی شرطیں نہ ہوں۔ اس وقت یہ آگے آئے اور ان شرطوں میں یہ بھی بات تھی کہ اپنا خود گزارہ کرو، کھاؤ، کماؤ، جماعت پیسے بھی نہیں بھیج سکتی۔ چنانچہ افریقہ میں انہوں نے ایسے سخت آزمائش کے سال دیکھے ہیں کہ مجھے انہوں نے خود بیان کیا تھا کہ مہینوں وہ روٹی یا جو چیز بھی مہیا ہوتی تھی وہاں اس کے ساتھ نمک مرچ کے سوا میں نے کچھ نہیں کھایا لیکن جماعت سے نہیں مانگا۔ روانہ ہونے سے پہلے جب آپ کو 1936ء میں خدمت کے لئے بھجوایا گیا ہے تو آپ کی شادی حضرت بھائی جی ڈاکٹر محمود احمد صاحب کی بیٹی آمنہ بیگم سے ہوئی لیکن نکاح ہوا اور پھر گیارہ سال تک غانا میں جدا رہے ہیں، مڑ کے خبر نہیں لی۔ نہ جماعت کے پاس پیسے تھے کہ ان کو بلاتی۔ گیارہ سال

کے بعد بلایا ہے۔ سال بعد پھر غانا چلے گئے پھر پانچ سال ٹھہرے، پھر آئے پھر ایک سال رہے بیوی کے ساتھ پھر غانا اور پچیس سال کا عرصہ انہوں نے اس طرح خدمت دین میں اپنے گھر سے جدا گزارا ہے اور وہاں جوان کے واقعات ہیں وہ تو حیرت انگیز ہیں کس طرح خدا تعالیٰ ان کی دعاؤں کو سنتا رہا اور حیرت انگیز نشان دکھاتا رہا ہے اور بعض دفعہ ایک غریبانہ جو بات کہہ دیتے تھے، تعلّی نہیں ہوا کرتی وہ، غریبانہ خدا پر ایک توقع ہوا کرتی ہے اس توقع میں یہ بات کہہ دیا کرتے تھے، یہ ہوگا اور ہو جایا کرتا تھا۔ بہت ہی پاکیزہ وجود، سادہ زندگی بسر کرنے والے۔ جو خدمت کے مواقع ملے ہیں دین میں اصل تو وہی ہیں جو میدان عمل میں تھے۔ یہاں آ کر جو نظام سے تعلق کی خدمت آپ نے سرانجام دی ہے اس میں نائب وکیل التبشیر رہے ہیں، قائمقام وکیل التبشیر رہے ہیں۔ پھر قائمقام وکیل اعلیٰ رہے ہیں۔ پھر نائب صدر مجلس تحریک جدید بھی رہے ہیں۔ مجلس افتاء اور کارپرداز میں کام کیا۔ ناظم دارالقضاء رہے۔ وکیل التعلیم رہے تو اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت فرمائے اور بے انتہاء رحمتیں نازل فرمائے ان پر، ان کی ساری اولاد پر اور اولاد در اولاد پر۔ وہ یاد رکھیں کہ کس باپ کے بیٹے تھے جس کی پیدائش بھی نشان تھی، جس کا زندہ رہنا نشان تھا جس کی ساری زندگی ایک نشان بنی رہی۔ تو احمدیت میں اس قسم کے ہیں جو گودڑیوں کے لعل ہیں اور کثرت سے ہیں۔ اس جماعت کا دنیا میں کون مقابلہ کر سکتا ہے جن کو عباد الرحمان نصیب ہو جائیں اللہ خود ان کی حفاظت فرمایا کرتا ہے۔

پس تم عبادالرحمٰن بننے کی کوشش کرو کیونکہ صرف پرانے عِبَادُ الرَّحْمٰنِ کی کمائی کھانے سے ہمارا گزارا نہیں چلے گا، ہمیں اگلی نسلوں کی پرورش، اگلی صدیوں کی، ہزار سال کی پرورش کا ارادہ لے کر اٹھنا چاہئے اور اس لئے ہمیں اپنے گردوپیش، اپنی ذات میں ہر جگہ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ بنانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دوسرے جو ہیں جنازے والے ان کی فہرست میرے سامنے ہے۔ ایک سلیمہ صاحبہ اہلیہ مکرم یوسف احمدی صاحب والدہ منیر الاسلام یوسف صاحب مبلغ انڈونیشیا جو یہاں تشریف لائے ہوئے تھے اور رمضان کا سارا عرصہ ترجمے کی خاطر یہاں آئے ہوئے تھے اور اس کے بعد بھی یہیں ترجمے کی خاطر ٹھہرے رہے، ان کی والدہ اچانک علیل ہوئیں اور ان کے یہاں سے روانہ ہونے سے پہلے وفات پا گئیں۔ ان کے متعلق بھی یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے والد کو رؤیا میں دکھایا تھا کہ

تیرا یہ بیٹا پیدا ہوگا اور اس کو وقف کر دینا اور نشانی بتائی تھی کہ پہلے بیٹی آئے گی پھر بیٹا آئے گا اور وہ خاص بیٹا ہے اس کو وقف کر دینا۔ چنانچہ انہوں نے وقف کر دیا۔ والد کی وفات بھی ربوہ میں تعلیم کے زمانے میں ہوئی ہے اور والدہ کی وفات بھی ان سے دوری کی حالت میں ہوئی ہے۔

پھر خواجہ خورشید احمد صاحب سیالکوٹی ہیں جو الفضل کے ایڈیٹر رہے ہیں بڑے لمبے عرصہ مختلف صورتوں میں ان کو توفیق ملی ہے خدمت کی۔

محمد حسین صاحب خادم مسجد مبارک۔ ان سے بہت لوگ واقف ہیں۔ مسجد میں ان کی خدمت اور ان کی اذانیں دینا اور ان کا خاص ایک گہرا تعلق یہ لمبے عرصے تک پھیلا ہوا ہے۔

ہمارے ڈاکٹر حامد اللہ خان صاحب جو یارک شائر Batley میں رہا کرتے تھے ان کی والدہ عائشہ بیگم صاحبہ۔ یہ بھی بہت بزرگ خاندان کی بزرگ خاتون تھیں۔ اللہ انہیں بھی غریق رحمت فرمائے۔ آمین

اور آخر پر ڈاکٹر رضیہ صاحبہ۔ یہ ڈاکٹر تو نہیں تھیں۔ ان کی بہن ڈاکٹر تھیں ایک، جہاں تک میرا علم ہے، مگر ہوسکتا ہے ڈاکٹر ہوں۔ بہرحال یہ اچھی تعلیم یافتہ خاتون تھیں اور خدمت پر مامور تھیں کسی پر۔ یہ میجر ولید منہاس کی بیگم اور ان کا اصل تعارف تو یہ ہے کہ جو حیدر آباد دکن کا مشہور خاندان جس نے خدمتوں میں بہت نام کمائے ہیں اللہ کے فضل کے ساتھ، سیٹھ محمد اعظم صاحب مرحوم، سیٹھ معین الدین صاحب مرحوم وغیرہ، یہ ان کی ہمشیرہ آپا سلیمہ کی بیٹی تھیں اور بالکل جوانی کے عالم میں ہی تین چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر وفات پا گئی ہیں، ان کو غالباً دل کا حملہ ہوا ہے موٹر میں واپسی پر گھر آتے ہوئے۔ تو بہرحال یہ سب وہ ہیں جن کی میں نماز جنازہ پڑھوں گا جمعہ اور عصر کے معاً بعد۔ انشاء اللہ تعالیٰ